© rasailojaraid.com

پروفیسر علی محسن صدیقی

ابو یعلیٰ کی الاحکام السلطانیہ

۲۴۷ھ میں خلیفۂ عباسی جعفر المتوکل علی اللہ کے قتل کے بعد خلافتِ عباسیہ انتشار کا شکار ہو گئی اور جلد ہی خلافت اسلامیہ کے مشرقی و مغربی صوبوں میں خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں۔ ان حکومتوں کے عباسیوں سے تعلقات کبھی معاندانہ، کبھی حریفانہ اور کبھی دوستانہ رہے۔ لیکن یہ امرا عوام اور علما کے خوف سے بظاہر خلافتِ عباسیہ کے ماتحت اور خادم ہونے کا اعلان کرتے رہتے تھے۔ کیونکہ اقتدارِ اعلیٰ اور خلافتِ اسلامیہ کا حقیقی منبع و مخزن خلفائے عباسی ہی سمجھے جاتے تھے۔ اس طور سے عملاً یہ مقامی امرا حکمران ہوتے تھے، مگر نظریاتی اعتبار سے خلفائے عباسی کو اقتدار کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا۔ اقتدار کی یہ عملی و نظری تقسیم نہ صرف یہ کہ نظامِ حکومت میں دوعملی کا سبب بنی۔ بلکہ اسلامی سیاسی مفکرین میں بھی دو مختلف مدارسِ فکر کے قیام کا باعث ہوئی۔ ایک مدرسۂ فکر اقتدارِ اعلیٰ کا حقیقی مرجع سلطان کی ذات کو سمجھتا تھا اور اس کا نظریہ یہ تھا کہ یہ خود مختار امرا اور سلاطین ہی درحقیقت اقتدارِ حکومت کے وارث اور جانشین ہیں[1]۔

اس کے برعکس مسلمان سیاسی مفکرین کا ایک گروہ اس خیال کا حامی تھا کہ اقتدار کا سرچشمہ اور حکومت کا حقیقی مستحق خلیفہ ہے۔ اور خود مختار امرا و سلاطین اس حق کو خلیفہ کی اجازت سے استعمال کر سکتے ہیں[2]۔ یہ نظریہ نہ صرف یہ کہ علما کے ایک طبقہ میں مقبول ہوا بلکہ عوام اور امرا بھی اسی کے حامی تھے۔ عوام میں قبولیت حاصل کرنے اور اپنے حریفوں پر سبقت لے جانے کا جذبہ بڑے بڑے سرکشوں کو خلافتِ عباسیہ کے آستانِ نیاز پہ جبینِ ناز خم کرنے پر مجبور کر

---

[1] نظام الملک طوسی۔ سیاست نامہ مطبوعہ الٰہ آباد ۱۹۳۱ء ص ۳۔

[2] ابوالحسن الماوردی الاحکام السلطانیہ مطبوعہ مصطفیٰ بابی حلبی مصر ۱۳۸۰ھ، ص ۳۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ محمود غزنوی اور طغرل بیگ سلجوقی جیسے جلیل القدر حکمران خلفائے عباسی سے حصولِ خلعت و فرمانِ حکومت کے متمنی رہتے تھے اور اس مقصد کے حصول کے لیے خلفائے عباسی کو خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے۔ ان کی اطاعت سے سرتابی نہ کرتے تھے اور جب کسی حکمران نے عباسیوں کی اطاعت سے انحراف کیا تو اسے کامیابی نہ ہوئی۔ چنانچہ علاءالدین محمد خوارزم شاہ نے جب خلیفہ ناصر الدین اللہ کی اطاعت سے سرتابی کی اور آمادۂ جنگ ہو گیا اور اس نے جبوا میں ایک متوازی خلیفہ علاءالملک ترمذی کو مسندِ خلافت پر متمکن کردیا تو عوام و خواص سبھی اس سے ناراض ہوئے۔ اور اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی۔[۵۳]

مسلمان سیاسی مفکرین میں نظام الملک طوسی متوفی ۴۸۵ھ اور امیر عنصر المعالی کیکاؤس متوفی ۴۷۵ھ اس مدرسۂ فکر کے پیرو ہیں جو سلاطین و امرا کو حکومت کا حق دار اور اقتدار کا منبع سمجھتا ہے۔ مگر سلفی مدرسۂ فکر سے جس کے حامی خلیفہ ہی کو تمام اختیارات کا سرچشمہ سمجھتے تھے ابوالحسن علی الماوردی جیسا نابغۂ عصر پیدا ہوا، جس نے اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ کے ذریعہ اسلامی سیاسی افکار میں نئے اقدار کی نشو و نما کی۔

ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب بصری، بغدادی، ماوردی قریباً ۳۶۴ھ میں پیدا ہوا۔ وہ اپنے عہد کے شافعی فقہا و قضاۃ میں سر آمد روزگار تھا۔ اس نے متعدد کتابیں، فقہ، تفسیر عقاید اور اصولِ فقہ کے موضوعات پر تصنیف کیں۔ مگر اس کی اصل شہرت الاحکام السلطانیہ کی بدولت ہوئی۔ یہ کتاب اسلامی سیاسیات پر نہایت معتبر دستاویز شمار کی جاتی ہے۔ امت کے مختلف طبقات نے ہر دور میں اس کی جانب توجہ کی اور دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے تراجم، خلاصے اور تحشیے کیے گئے۔ ماوردی کا شمار اپنے عہد میں قضاۃ و فقہا میں ہوتا تھا مگر اس کتاب کی بدولت بعد کی علمی دنیا نے اسے ایک سیاسی مفکر کی حیثیت سے جانا جس کے افکارِ سیاسی کی اساس قرآن، حدیث، تعامل صحابہؓ، اعمال خلفائے راشدین اور ائمہ و فقہا کے اجتہادات پر ہے۔ اس حیثیت سے اس کی سیاست خالص دینی سیاست ہے جس میں لادینیت کا ذرا بھی شائبہ نہیں ہے۔

---

۵۳ ڈاکٹر امیر حسن صدیقی۔ خلافت و سلطنت، ص ۱۵۵، ۱۵۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماوردی کو "الاحکام السلطانیہ" کے مصنف اور افکارِ سیاسیہ میں اسلامی اقدار کے داعی ہونے کا جو فخر حاصل ہے اس میں ایک اور مصنف اس کا سہیم و شریک ہے، مگر اسے ماوردی جیسی شہرت اور قبولیتِ عامہ نہ حاصل ہوسکی۔ یہ مصنف قاضی ابویعلیٰ حنبلی ہے۔ اس نے بھی ماوردی کے زمانے میں الاحکام السلطانیہ نامی کتاب تحریر کی اور اسلامی سیاسی افکار متعین کیے۔ قاضی ابویعلیٰ کی کتاب بارِ اوّل قاہرہ کے مشہور "مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ" سے ۱۳۵۷ھ (۱۹۳۸ء) میں شائع ہوئی، اور غالباً آج تک اس کا دوسرا ایڈیشن شائع نہ ہوا۔ یہ کتاب کیسے گوشۂ خمول سے منصۂ شہود پر آئی۔ اس کا حال اس کے مصحح اور محشی شیخ محمد حامد الفقی کی زبان سے سنیئے۔ جو جامعہ ازہر کے ایک ممتاز عالم اور مصر کی انجمن انصار السنۃ المحمدیہ کے سربراہ تھے:

"۱۳۵۴ھ میں میرے قیامِ مکہ کے دوران علامہ شیخ عبداللہ بن بلیہد نے کتاب الاحکام السلطانیہ کا ایک قلمی نسخہ مجھے مرحمت فرمایا کہ میں اس کی اشاعت کا انتظام کروں۔ میں فریضۂ حج ادا کرکے مصر واپس آیا تو اس کتاب کی طباعت کے سلسلہ میں متعدد ناشرین سے بات چیت کی۔ مگر ان میں سے کوئی بھی اس پر آمادہ نہ ہوا اور انھوں نے یہ عذر کیا کہ اس کتاب کا چلن نہ ہوسکے گا۔ ان ناشرین وطابعین کے پیشِ نظر جمہورِ اسلام کے مفادات کے بجائے اپنی مالی منفعت کا جذبہ تھا۔ غرض اسی کد وکاوش میں پورا سال گزر گیا اور یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہوسکی۔ تا آنکہ ۱۳۵۵ھ کا موسمِ حج آگیا اور میں حسبِ عادت قدیم حج کی غرض سے مکہ گیا۔ شیخ ابن بلیہد اور دوسرے دوستوں سے جب ملاقات ہوئی تو انھوں نے کتاب الاحکام السلطانیہ کی طباعت کے لیے اصرار کیا۔ آخر جب میں فریضۂ حج ادا کرکے مصر پہنچا تو میری ملاقات مصطفیٰ البابی الحلبی مرحوم کے لڑکوں سے ہوئی۔ میں نے ان سے اس کتاب کا تذکرہ کیا اور یہ لوگ بطیبِ خاطر اس کی اشاعت پر آمادہ ہوگئے۔ جب اس کی کتابت ہوچکی تو میں نے علمائے مکہ کو اس کی اطلاع دی اور جب مکہ گیا تو جلالۃ الملک عبدالعزیز بن سعود کی خدمت میں ان اوراق کو پیش کیا جس پر سلطان نے مسرت کا اظہار کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور یوں یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔

"جو قلمی نسخہ مجھے شیخ ابن بلیہد نے دیا تھا۔ اسے شیخ سلیمان بن حمدان نے جو مکہ میں ہیئۃ مراقبۃ القضاء کے رکن ہیں۔ ایک پرانے نسخے سے جو ۹۶۶ھ میں لکھا گیا تھا نقل کیا تھا جب ہم نے اس کی طباعت شروع کی تو ایک اور قلمی نسخہ مل گیا۔ جو شیخ عبداللہ بن حسن آل شیخ کی ملکیت ہے شیخ مکہ میں ہیئۃ مراقبۃ القضاء کے صدر ہیں۔ یہ نسخہ اس کتاب کی طباعت کے سلسلہ میں نہایت ضروری تھا اور ہم نے اس سے کافی استفادہ کیا۔[۴]

اس کتاب کی روایت کی اجازت شیخ عبداللہ بن بلیہد کو شیخ عبدالستار دہلوی مقیم مکہ سے ملی۔ شیخ عبدالستار نے اس کی روایت کی اجازت اٹھارہ مختلف طریقوں سے مصنف کتاب سے حاصل کی۔[۵] ان راویانِ کتاب میں علامہ ابن حجر عسقلانی، قاضی مجدالدین فیروزآبادی حافظ محمد بن احمد ذہبی، علامہ ابن قیم جوزیہ اور امام احمد بن تیمیہ جیسی زبردست اور شہرہ آفاق ہستیاں شامل ہیں۔

مصنف کتاب کے حالاتِ زندگی "طبقات الحنابلہ" میں موجود ہیں اس کتاب کا مصنف خود صاحبِ کتاب کا بیٹا قاضی ابوالحسین محمد ہے۔ اس کے علاوہ خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں بھی اس کے حالات بیان کیے ہیں۔ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن عبدالقادر نابلسی نے "مختصر طبقات" میں اور حافظ ابن کثیر دمشقی نے "البدایہ والنہایہ" میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ مگر یہ تذکرے مجمل ہیں۔ ان سے کسی قدر زیادہ ذکر "المنتظم" میں ابوالفرج جوزی نے کیا ہے۔

اس کا نام محمد بن حسین بن محمد بن خلف بن احمد الفراء اور کنیت ابویعلیٰ ہے۔ وہ ۲۸ یا ۲۹ محرم ۳۸۰ھ کو پیدا ہوا اور شب دوشنبہ ۹ ار رمضان ۴۵۸ھ کو بغداد میں وفات پائی۔ جامع منصور بغداد میں اس کی نماز جنازہ اس کے بیٹے ابوالقاسم نے پڑھائی۔ جنازے میں شرکا کی تعداد بے حساب تھی۔ بغداد کے بازار بند رہے اور جنازے کے ساتھ نقہا، امرا، قضات

۴؎ ابویعلیٰ ۔ الاحکام السلطانیہ مطبوعہ مصطفیٰ بابی حلبی، مصر ۱۳۵۶ھ (مقدمہ کتاب) ص ۲،۲۹

۵؎ ایضاً (مقدمہ کتاب) ص ۳۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور فقہا بہت بڑی تعداد میں شریک رہے۔ اسے اس کی وصیت کے مطابق ان کپڑوں میں دفن کیا گیا جو اس نے خود اس مقصد کے لیے کات کر تیار کیے تھے امام [redacted] حنبل کے مقبرے میں اسے سپرد [redacted] گیا۔ قاضی ابویعلی نے پانچ سال کی عمر [redacted] کی سماعت کی، ابوالقاسم ابن حبابہ، ابوالقاسم السراج، اور اپنے والد ابو عبداللہ وغیرہ سے حدیث کی تعلیم حاصل کی طلب حدیث میں بغداد کے علاوہ مکہ اور دمشق اور حلب کا سفر کیا، وہ خلیفہ قائم بامر اللہ (۴۲۲ھ تا ۴۶۷ھ) کے عہدِ خلافت میں ۴۳۲ھ میں بغداد مستقل قیام کی غرض سے آیا۔ اس کے ساتھ علما اور طلبہ کا ایک جم غفیر تھا۔ جب اس کی کتاب "ابطال التاویلات" کی شہرت ہوئی تو خلیفہ نے اسے منگوا کر پڑھا اور مصنف کا شکریہ ادا کیا۔ جب قاضی القضاۃ ابن ماکولا شافعی کا ۴۴۷ھ میں انتقال ہوا تو خلیفہ نے قاضی ابویعلی کو دار الخلافت کا قاضی بنانا چاہا۔ اس نے ابتدا میں منصب قضا قبول کرنے سے انکار کیا مگر بعد میں خلیفہ کے پیہم اصرار سے اسے منظور کیا تو یہ شرط لگائی کہ وہ شاہی سواری کے جلوس میں شریک نہ ہوگا، استقبال کے لیے نہ جائے گا اور دربارِ سلطانی میں حاضری نہ دے گا۔ "طبقات حنابلہ" کے مصنف نے فقہائے حنابلہ کے پانچویں طبقے میں اسے شمار کیا ہے۔ اس کی جلالت شان کا یہ عالم تھا کہ جب اس نے جامع منصور میں امام احمد بن حنبل کے صاحب زادے عبداللہ بن احمد کے مسند درس پر فائز ہو کر درس حدیث دیا تو لوگوں کا مجمع اتنا زیادہ تھا کہ درس کے بعد جمعہ کی نماز میں نمازیوں نے جگہ کی تنگی کی وجہ سے فرشِ مسجد کے بجائے ایک دوسرے کی پیٹھوں پر سجدے کیے۔

۵۶ ابوالقاسم عبید اللہ بن محمد معروف بہ ابن حبابہ بغداد میں ۲۹۹ھ میں پیدا ہوئے۔ محدث بغوی اور قاضی ابن ابی داؤد سے سماعت حدیث کی، وہ ثقہ اور مامون تھے۔ انھوں نے ۳۸۹ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ (ابن جوزی۔ المنتظم۔ ج ۷، ص ۲۰۷۔ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن)

۵۷ ابوالقاسم موسیٰ بن عیسیٰ السراج ۲۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۳۸۷ھ میں وفات پائی۔ انھوں نے ابن ابی داؤد وغیرہ سے حدیث روایت کی وہ نہایت ثقہ تھے۔ (ابن جوزی۔ المنتظم، ج ۷، ص ۲۰۱)

۵۸ ابو عبداللہ حسین بن محمد اپنے عہد کے شاہد عادل تھے۔ انھوں نے متعدد محدثین سے سماعت حدیث کی اور حنفی المذہب تھے۔ شعبان ۳۹۰ھ میں وفات پائی۔ (ابن جوزی۔ ج ۷، ص ۲۱۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحب "طبقات الحنابلہ" کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں حدیث کی سماع کے لیے اتنا بڑا مجمع دیکھنے میں نہ آیا۔

قاضی ابویعلی کی بعض تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱- احکام القرآن، ۲- مسائل الایمان، ۳- معتمد، ۴- الرد علی الاشعریہ، ۵- الرد علی الکرامیہ، ۶- ابطال التاویلات، ۷- اثبات امامۃ الخلفاء الاربعہ، ۸- تبریۂ معاویہ - ۹- جوابات مسائل وردت من الحرم، من سافارقین، من اصفہان، ۱۰- الکنایہ فی اصول الفقہ ۱۱- الاحکام السلطانیہ، ۱۲- فضائل احمدؒ، ۱۳- مقدمۃ فی الادب، ۱۴- کتاب فی الطب - ۱۵- کتاب اللباس، ۱۶- شروط اہل الذمہ، ۱۷- التوکل، ۱۸- ذم الغناء، ۱۹- ابطال الحیل ۲۰- الفرق بین الآل والاصل، ۲۱- الخلاف الکبیر وغیرہ۹

حافظ ابن جوزی نے اس کا مرثیہ لکھا جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

قاضی ابویعلی علی السواد | واساد علمہ الکل فاعلمہ الی ال
متفرقات لاتری من ھاد | کانت علوم احمد کاحرف
توکا معبد الامر فی الابداد۱۰ | فضمھا بعملہ فاصبحت

ابویعلی ماوردی سے سولہ سال بعد ۳۸۰ھ میں پیدا ہوا۔ اور اس کے آٹھ سال بعد ۴۵۸ھ میں اس نے وفات پائی۔ وہ ۴۳۲ھ سے ۴۵۸ھ تک ۲۶ سال تک بغداد میں رہا۔ ۴۴۷ھ میں قاضی ابن ماکولا کے انتقال کے بعد قاضی ہوا اور اپنی وفات تک اس عہدے پر فائز رہا۔ اس طرح وہ گیارہ سال تک بغداد، حران اور حلوان کا قاضی رہا۔ اس کے حلقہ درس کو بغداد میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ خلیفہ قائم باللہ بامر اللہ اس کا ہم خیال اور مداح تھا کہ اس کا رجحان طبع حنابلہ کی جانب تھا۔ اس لیے قاضی ابویعلی کو بارگاہِ خلافت میں جو تقرب حاصل تھا وہ قاضی ابوالحسن ماوردی کو نہ مل سکتا تھا کیونکہ وہ شافعی تھا اور خلیفہ کی نگاہ میں

۹ مختصر طبقات حنابلہ، ص ۳۷۷ - ۳۸۸ - کتاب المنتظم ج ۸، ص ۲۴۳ ، ۲۴۴ ، البدایہ والنہایہ ج ۱۲ ص ۹۴ ، ۹۵ - تاریخ بغداد، ج ۲، ص ۲۵۶ - مطبوعہ مطبع سعادت، مصر ۱۳۴۹ھ

۱۰ نابلسی - مختصر طبقات الحنابلہ - ص ۳۸۷ ، ۳۸۸ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی وہ عزت نہ ہو سکتی تھی جتنی ایک حنبلی قاضی کی تھی۔ ماوردی کو جو تقرب حاصل تھا وہ بویہی امراء تک محدود تھا۔ اگرچہ ابتدا میں بنو بویہ بنو عباس پر مسلط رہے مگر پانچویں صدی ہجری میں ان کے ضعف اور سلاجقہ کے اقتدار کی وجہ سے خلیفہ عباسی کا دبدبہ فی الجملہ قائم ہو گیا تھا اور یوں جو حیثیت ابو یعلیٰ کو حاصل تھی وہ ماوردی سے کہیں زیادہ بلند تھی۔ اس کے علاوہ عوام کی اکثریت حنابلہ کی حامی تھی۔ اس لیے ابو یعلیٰ ان میں ماوردی سے زیادہ مقبول تھا۔ اور اس کا ثبوت اس کے حلقۂ درس اور جنازہ میں عوام اور خواص کے اژدہام سے بہم پہنچتا ہے مگر ہمیں معاصر تذکروں سے ان دونوں کی کسی چشمک کا پتہ نہیں چلتا۔

گو زندگی میں ابو یعلیٰ کو ماوردی سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ مگر مرنے کے بعد ماوردی نے جو نام پایا وہ اس کے نام سے کہیں زیادہ روشن ہے۔ اس کی شہرت کا یہ عالم ہے کہ تقریباً ہر تذکرہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اور بطور خاص اس کی دو کتابوں "الحاوی فی اصول الفقہ" اور "الاحکام السلطانیہ" کا ذکر ضرور ہے۔ اس کے برعکس ابو یعلیٰ کا تذکرہ جن کتابوں میں ہے ان میں سے ایک اس کے بیٹے ابو الحسین بن ابی یعلیٰ کے "طبقات حنابلہ" یا اس کی تلخیص مرتبہ شمس الدین نابلسی کے سوا کسی کتاب میں اس کی تصنیف "الاحکام السلطانیہ" کا ذکر نہیں ہے۔ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں دونوں کا مختصر حال لکھا ہے۔ جہاں ماوردی کا بیان ہے۔ وہاں لکھا ہے کہ وہ "الاحکام السلطانیہ" کا مصنف ہے[11] مگر اس نے ابو یعلیٰ کی کسی کتاب کا نام نہیں لکھا ہے[12]

ابو یعلیٰ کی "الاحکام السلطانیہ" مندرجہ ذیل پندرہ فصلوں پر مشتمل ہے:

۱- امامت کے مسائل
۲- تقرر حکام۔ وزارت، امارتِ اقلیم، امارتِ جہاد، ولایتِ قضا، ولایتِ مظالم کے مباحث
۳- نقیب الاشراف کا تقرر
۴- امامتِ صلوٰۃ
۵- امارتِ حج
۶- امارتِ صدقات

۱۱- ابن کثیر دمشقی - البدایہ والنہایہ، ج ۱۲، ص ۸۰ - مطبوعہ سعادت مصر (بار اوّل)
۱۲- ایضاً ایضاً ج ۱۲، ص ۹۴، ۹۵ - ایضاً۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷۔ تقسیم فئے و غنیمت۔ ۸۔ جزیہ و خراج کے مسائل۔ ۹۔ مختلف شہروں کے احکام

۱۰۔ غیر آباد زمینوں کی آباد کاری اور آب پاشی کے لیے کنوئیں کھودنے کے احکام۔

۱۱۔ چراگاہ اور عام مفاد کے مقامات کے احکام۔

۱۲۔ جاگیر کے احکام۔ ۱۳۔ قیام دیوان اور اس کے احکام کا بیان۔

۱۴۔ جرائم کے احکام ۱۵۔ احتساب کے احکام

ابو الحسن ماوردی کی "الاحکام السلطانیہ" بھی انہی مباحث پر مشتمل ہے۔ اس نے اپنی پوری کتاب کو بیس ابواب پر منقسم کیا ہے۔ ان میں سے چودہ ابواب تو بعینہٖ وہی ہیں جو ابو یعلیٰ کے یہاں ہیں۔ ابو یعلیٰ کی فصل دوم "تقررِ حکام" کو ماوردی نے پانچ مستقل ابواب میں بیان کیا ہے اور یوں دونوں کتابوں کے عنوان ایک جیسے ہیں۔ صرف ماوردی کے یہاں ایک عنوان زائد ہے، جو ابو یعلیٰ کی کتاب میں نہیں ہے اور یہ اس کی کتاب کا پانچواں باب ہے۔ جس کا عنوان "مصالح ملکی کے لیے جنگ"[۱۳] ہے اور جسے اس نے جہاد سے الگ بیان کیا ہے جب کہ ابو یعلیٰ کے یہاں یہ بحث امارتِ جہاد کے ضمن میں آگئی ہے[۱۴]۔

ابو یعلیٰ کا طرزِ استدلال محدثانہ ہے جو حنبلی علما کی خصوصیت ہے۔ وہ ہر دعوی کی دلیل میں حدیث اور تعاملِ صحابہ پیش کرتا ہے۔ مگر ان احادیث کا سلسلۂ روایت امام احمد بن حنبل کے سوا کسی اور محدث تک نہیں پہنچتا۔ وہ اپنی کتاب کے آغاز میں وجوبِ امامت سے بحث کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر لوگوں کے امور کے انتظام کے لیے امام نہ ہو تو فتنہ بپا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد امام احمد بن حنبل کی روایت سے وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے واقعہ کا ذکر کرتا ہے کہ اس موقع پر انصار نے مہاجرین سے کہا تھا کہ قبیلہ قریش کے سوا عرب کسی اور کی اطاعت قبول نہ کریں گے تو اگر امامت واجب نہ ہوتی تو یہ معاملہ اور گفتگو ہی نہ ہوتی اور لوگ یہ کہہ دیتے کہ خلافت سرے سے ضروری ہی نہیں۔ نہ تو قریش اور نہ دوسرا قبیلہ اس کا حق دار ہے۔ مگر لوگوں نے ایسا نہیں کہا۔ اس سے ثابت ہوا کہ خلافت کو ہر شخص ضروری اور

۱۳ھ ماوردی۔ الاحکام السلطانیہ، ص ۵۴ - ۶۴

۱۴ھ ابو یعلیٰ۔ الاحکام السلطانیہ۔ ص ۳۶، ۳۸ تا ۴۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واجب سمجھا تھا[۱۵] اگر کسی مسئلہ میں مجتہدین کے مابین اختلاف رائے ہو تو ماوردی اس کی نشان دہی کرتا ہے۔ اس کے برعکس ابو یعلیٰ صرف امام احمد بن حنبل کے مسلک کی ترجمانی کرتا ہے۔ مثلاً مسئلہ یہ ہے کہ ذمیوں سے جزیہ کس شرح سے وصول کیا جائے۔ وہ امام احمد بن حنبل کے تین اقوال نقل کرتا ہے۔ اول یہ کہ جزیہ کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ شرح مقرر ہے۔ غریبوں سے ۱۲ درم متوسط الحال افراد سے ۲۴ درم اور متمول طبقے سے ۴۸ درم فی کس سالانہ۔ دوم یہ کہ نہ تو کم سے کم شرح متعین ہے اور نہ ہی زیادہ سے زیادہ اس کی شرح کا تعین امام وقت کے اجتہاد پر منحصر ہے۔ تیسری روایت یہ ہے کہ جزیہ کی کم از کم شرح تو متعین ہے۔ مگر زیادہ سے شرح کا تعین شارع نے نہیں کیا ہے۔ امام وقت حضرت عمر فاروقؓ کی مقرر کی ہوئی شرح میں اضافہ کرنے کا مجاز ہے۔ مگر اسے اس میں کسی کمی کا اختیار نہیں ہے[۱۶] اس کے برعکس جب اس مسئلہ کو ماوردی بیان کرتا ہے تو اس کے متعلق تمام ائمہ مجتہدین کی رایوں کو بیان کرتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ جزیہ کی شرح کی تعیین میں فقہا کا اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ نے اس کی تین قسمیں کی ہیں۔ دولت مندوں سے ۴۸ درہم، متوسط الحال لوگوں سے ۲۴ درہم اور غریبوں سے ۱۲ درہم سالانہ۔ اس طور پر جزیہ کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ شرح مقرر کی گئی ہے اور اس میں والیوں کو اجتہاد کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ امام مالک کی رائے ہے کہ جزیہ کی کم از کم شرح کی کوئی تعیین نہیں ہے۔ اس کا انحصار والیوں کے اجتہاد پر ہے۔ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ جزیہ کی کم از کم شرح ایک دینار (۱۲ درہم) سالانہ ہے اس سے کم ناجائز ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ شرح متعین نہیں ہے۔ اس کا انحصار والیوں کے اجتہاد پر ہے۔ انھیں اختیار ہے خواہ وہ ہر طبقے سے یکساں شرح سے جزیہ وصول کریں یا ان کی حیثیت کے مطابق مختلف شرحوں سے[۱۷]

ہم ابو الحسن ماوردی اور ابو یعلیٰ کے انداز بیان کے فرق کی مزید وضاحت کی غرض سے ایک ہی موضوع پر دونوں کے خیالات کا لفظی ترجمہ ذیل میں پیش کرتے ہیں:

---

۱۵ ابو یعلیٰ - الاحکام السلطانیہ، ص ۳ - ۱۶ ایضاً، ص ۱۳۹

۱۷ ماوردی - الاحکام السلطانیہ، ص ۱۴۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرتدین سے جنگ

ابو الحسن ماوردی

مرتدین کو کس طرح قتل کیا جائے۔ اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا انھیں فوراً قتل کر دیا جائے یا تین دن کی مہلت دی جائے۔ ایک رائے یہ ہے کہ ان کے قتل میں عجلت کی جائے تاکہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں تاخیر نہ ہو دوسری رائے یہ ہے کہ انھیں تین دن کی مہلت دی جائے کہ وہ شاید توبہ کر لیں۔ کیونکہ حضرت علیؓ نے مستورد عجلی کو توبہ کرنے کے لیے تین دن کی مہلت دی تھی اور اسے اس کے بعد قتل کیا گیا تھا۔ مرتد کو تلوار سے بحالتِ اسیری قتل کیا جائے۔ امام شافعیؒ کے اصحاب میں سے ابن سریج کا قول ہے کہ مرتد کو اس وقت تک لکڑی سے مارا جائے جب تک کہ وہ مر نہ جائے۔ کیونکہ یہ طریقہ قتل تلوار کی بہ نسبت سست رو اور دیر طلب ہے۔ ممکن ہے کہ مرتد اس دوران توبہ کر لے۔

اور جب مرتد کو قتل کر دیا جائے تو نہ اسے غسل دیا جائے نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور نہ ہی اس کے لیے قبر تیار کی جائے بلکہ اسے گڑھا کھود کر دفن کر دیا جائے۔ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے کیونکہ اس نے مرتد ہو کر گویا ان کے خلاف خروج کیا تھا۔ اور نہ ہی اسے مشرکین کے مرگھٹ میں گاڑا جائے کیونکہ اسے سابق میں حرمتِ اسلام حاصل تھی جو مشرکین سے جدا کر دیتی ہے۔

اس کا مال بیت المال کے لیے فَے ہے اور اسے

ابو یعلیٰ فراء

مرتدین کو تین دن ڈرانے کے بعد ان سے جنگ واجب ہے خواہ مرتد عورت ہو یا مرد۔ مرتدین کو جزیہ کی ادائیگی اور معاہدہ کی بنا پر ان کے ارتداد پر باقی رکھنا جائز نہیں ہے ان کے ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت نہ کھایا جائے ان کی عورتوں سے نکاح نہ کیا جائے اور جب انھیں قتل کیا جائے تو غسل نہ دیا جائے۔ نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں نہ دفن کیا جائے کیونکہ وہ لوگ مرتد ہو کر مسلمانوں سے الگ ہو گئے اور انھیں مشرکین کے قبرستان میں بھی دفن نہ کیا جائے کیونکہ ان کو سابق میں حرمتِ اسلام حاصل تھی۔ انھیں گڑھا کھود کر دفن کر دیا جائے۔

ان کا مال مسلمانوں کے بیت المال کا فَے ہے اور فَے کے مدات میں صرف کیا جائے۔ ان کے ترکہ کا نہ تو کوئی مسلمان وارث ہو سکتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فئ کی مدات میں صرف کیا جائے۔ کوئی مسلمان یا غیر مسلم اس کا وارث نہیں ہو سکتا۔ امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ مرتد ہونے سے پہلے جو مال اس نے کمایا ہے اس کا مسلمان وارث ہے اور بحالتِ ارتداد میں کمایا ہوا مال فئ ہے۔ امام ابو یوسف کا قول ہے کہ مسلمان مرتد کے مال کا وارث ہے خواہ وہ مال ارتداد سے قبل یا بعد کمایا ہو اگر مرتد دارالحرب میں چلا جائے تو اس کا جو مال دارالسلام میں ہوگا وہ اس پر موقف ہوگا۔ اور اگر وہ دوبارہ مسلمان ہو جائے تو یہ مال اسے واپس کر دیا جائے گا لیکن اگر بحالتِ ارتداد مر جائے تو یہ سارا مال فئے ہو جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر مرتد دارالحرب میں بھاگ جائے تو بمنزلہ مردہ سمجھا جائے گا اور اس کا مال اس کے وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر اس کے بعد وہ مسلمان ہو کر دارالسلام میں واپس آجائے تو اس کا جو مال اس کے ورثا کے پاس موجود ہو وہ اسے لوٹا دیا جائے اور جو خرچ کر چکے ہوں وہ ان سے وصول نہ کیا جائے[۱۸]

ہے اور نہ ہی غیر مسلم۔ اگر مرتدین دارالحرب میں بھاگ جائیں تو ان کا مال جو دارالسلام میں رہ گیا ہو۔ ان پر وقف ہوگا۔ اگر وہ اسلام کی جانب لوٹ آئیں تو ان کا مال واپس کر دیا جائے گا اور اگر دارالحرب میں بحالت ارتداد مر جائیں تو ان کا مال فئے محسوب ہوگا[۱۹]

اس اقتباس سے جو حقیقت واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ماوردی کا بیان نہایت مفصل ہے جبکہ ابویعلیٰ کے یہاں اتنی تفصیل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ابویعلیٰ امام احمد بن حنبل کے مسلک کی تفصیل پر اکتفا کرتا ہے اور اس سلسلے میں ان سے جتنی روایتیں جس جس طریقہ سے مروی ہیں۔ انھیں بالاستیعاب بیان کر دیتا ہے اور دیگر ائمہ مجتہدین کی آراء کی جانب کوئی نہیں دیتا اور نہ ہی ان کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس کے برعکس ماوردی ائمہ مجتہدین میں سے امام ابوحنیفہ، امام مالکؒ امام ابو یوسفؒ القاضی اور امام شافعیؒ کے اقوال نقل کر کے کسی ایک مسئلہ کے بارے

---

[۱۸] ماوردی۔ الاحکام السلطانیہ ص ۵۵، ۵۶۔ [۱۹] ابویعلیٰ۔ الاحکام السلطانیہ۔ ص ۳۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں مختلف فقہی مدارس کے افکار و آراء کو یکجا کر دیتا ہے۔ اس حیثیت سے ماوردی کی کتاب زیادہ مکمل اور زیادہ مفید ہے اور کسی مسئلہ سے متعلق اس کا بیان اپنے ہم عصر کے بیان کے مقابلہ میں زیادہ وقیع ہے۔

دونوں کتابوں کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ماوردی اور ابویعلیٰ میں سے کسی ایک نے اپنی کتاب پہلے تحریر کی، اور دوسرے نے اپنی کتاب کی تالیف کے وقت اسے پیشِ نظر رکھا۔ اس خیال کی توثیق کی غرض سے ان کتابوں کے متن کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

ماوردی	ابویعلیٰ
۱- اما الارفاق فهو ارفاق الناس بمقاعد الاسواق وافنية الشوارع وحريم الامصار ومنازل الاسفار فيقسم ثلاثة اقسام:	۱- اما الارفاق فهو من ارتفاق الناس بمقاعد الاسواق وافنية الشوارع وحريم الامصار ومنازل الاسفار فتنقسم ثلاثة اقسام:
قسم يختص الارتفاق فيه بالصحارى والفلوات وقسم يختص الارتفاق فيه بافنية الاملاك وقسم يختص بالشوارع والطرق [۵۱]	قسم يختص الارتفاق فيه بالصحارى والفلوات وقسم يختص الارتفاق فيه بافنية الاملاك وقسم يختص بالشوارع والطرقات [۵۲]
۲- واما امارة الاستيلاء التي تعقد عن اضطرار فهي ان يستولي الامير بالقوة على بلاد يقلده الخليفة امارتها ويفوض اليه تدبيرها وسياستها فيكون الامير باستيلائه مستبداً بالسياسة والتدبير والخليفة باذنه منفذاً	۲- اما امارة الاستيلاء التي تعقد على اضطرار فهي ان يستولي الامير بالقوة على بلاد يقلده الخليفة امارتها ويفوض اليه تدبيرها وسياستها فيكون الامير باستيلائه مستبداً بالخليفة في تدبير السياسة وتنفيذ

[۵۱] ماوردی الاحکام السلطانیہ ص ۱۸۷ [۵۲] ابویعلیٰ الاحکام السلطانیہ، ص ۲۰۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لاحکام الدین لیخرج من الفساد الی الصحۃ ومن الحظر الی الاباحۃ وھذا وان خرج من عرف التقلید المطلق فی شروطہ واحکامہ ففیہ من حفظ القوانین الشرعیۃ وحراسۃ الاحکام الدینیۃ مالا یجوز ان یترک مختلا مدخولا ولا فاسدا معلولا۔ فیجاز مع الاستیلاء والاضطرار ما امتنع فی تقلید الاستکفاء والاختیار لوقوع الفرق بین شروط المسکنۃ والعجز[۲۲]

الاحکام الدینیۃ لیخرج عن الفساد الی الصحۃ وعن الحظر الی الاباحۃ۔ وھذا وان خرج من عراف التقلید المطلق ففیہ من حفظ القوانین الشرعیۃ مالا یجوز ان یترک فاسدا۔ فیجاز فیہ مع الاستیلاء والاضطرار ما امتنع فی تقلید الاستکفار والاختیار[۲۳]

ہم نے بخوفِ طوالت صرف دو اقتباسوں پہ اکتفا کیا ہے ورنہ اس قسم کے توارد کی مثالوں سے یہ کتابیں بھری پڑی ہیں۔ جب یہ امر محقق ہو گیا کہ دونوں میں سے کوئی ایک کتاب نقل ہے تو اس بات کا پتہ چلانا چنداں دشوار نہیں رہ جاتا کہ اصل کتاب کونسی ہے اور نقل کونسی۔ اگرچہ ان کتابوں کے سنینِ تالیف معلوم نہیں ہیں مگر قرینہ غالب یہی ہے کہ ماوردی نے اپنی کتاب پہلے لکھی اور اس کے بعد ابو یعلیٰ فراء نے۔ ابو یعلیٰ کے پیشِ نظر یہ کوشش ہے کہ ماوردی کی کتاب میں امام احمد بن حنبل کے اقوال درج نہیں ہیں جس سے یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ ان کے اپنے افکارِ سیاسیہ نہ تھے۔ اس لیے انھیں اصول کو پیشِ نظر رکھ کر ان سے متعلق امام احمد کے اقوال کو بالتفصیل بیان کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا ہے۔ ماوردی کے اصول کہیں بعینہ اور کہیں تلخیص کے ساتھ نقل کر کے ان کے ضمن میں امام احمد کے اقوال کی تفصیل دی ہے۔ دوسرے ائمہ کے اقوال سے بحث نہیں کی ہے۔ علمی دیانت کا یہ اقتضا تھا کہ ابو یعلیٰ اپنی کتاب میں اس کا ذکر کر دیتا۔ مگر اس عہد میں اس قسم کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ جبکہ لوگوں نے پوری کی پوری کتاب نقل کر کے اپنے نام سے موسوم کر لی اور اصل کا کوئی ذکر نہ کیا۔

---

۲۲ ماوردی الاحکام السلطانیہ ص ۳۳ ۲۳ ابو یعلیٰ۔ الاحکام السلطانیہ ص ۲۱۔

© rasailojaraid.com